ISSN : 2348-2257
ماہ نامہ
تہذیب الاخلاق
اکتوبر ۲۰۲۱ء
سرسید نمبر
CENTENARY GATE
ادارۂ تہذیب الاخلاق و اشاعت، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
₹70/-

ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی *

مذاہب کے ساتھ فکری وعملی تعاون

(سرسید کے قرآنی دلائل کا مطالعہ)

سرسید احمد خاں (۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء-۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء) کا عہد مسلمانوں کے لیے متعدد وجوہ سے اسلامی تاریخ کا روشن باب ہے۔ گرامی موصوف کے عہد میں دو طرح کے رویے اور خیالات ان کی بابت پائے جاتے تھے جن کی بازگشت آج تک سنائی دے رہی ہے۔ سید والا گُہر کو انیسویں صدی میں علم وحکمت کا جو خزانہ میسر ہوا اس سے کام لے کر انھوں نے قابل تحسین علمی، فکری اور عملی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن المیہ یہ رہا کہ ہر سوان کی تحسین کی گئی اور تنقیص بھی۔ ایک رائے یہ ہے کہ وہ انیسویں صدی میں مسلمانانِ ہند کے سب سے عظیم مسیحا ثابت ہوئے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ بھارت میں جدیدیت کی داغ بیل ڈالنے والے اور مغربی تہذیب کے سب سے بڑے شارح وترجمان بھی سرسید ہی تھے۔ یہ دونوں پہلو الگ الگ مقالوں کے متقاضی ہیں۔ ضرورت ہے کہ تجزیہ نگار اُس وقت کے حالات وکوائف کو سامنے رکھ کر بے تعصبی کے ساتھ نقد وتجزیہ کرے۔ انیسویں صدی کے بھارت میں مذہبی رویوں اور امور میں اعتدال کی راہوں کو روشن کرنے میں سرسید کی اہمیت سے انکار مشکل ہے۔ راقم کا احساس ہے کہ ابتدائے آفرینش سے انسانوں کے مذاہب، مسالک اور طریق حیات الگ الگ رہے ہیں اور تاحیات رہیں گے۔ اسلام اور غیر اسلام۔ دونوں کے درمیان بعد المشرقین ہے لیکن بقائے باہم کی پگڈنڈیاں بھی تو ہیں۔ سرسید نے انھی پگڈنڈیوں کو تلاش کرلیا اور اپنی صدی میں دیگر مذاہب کے ساتھ فکری وعملی تعاون کی منزلیں طے بھی کیں۔ آج ایک صدی کے بعد ان کے افکار وخیالات کی معنویت دوچند نظر آتی ہے، جن کی باز گشت خود مغربی ممالک میں سنائی دے رہی ہے۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کا تجزیہ اس موقع کی مناسبت سے درست معلوم ہوتا ہے:

> ''بین المذہبی افہام وتفہیم اور مکالمے کے میدان میں جو ۱۹۶۰ء سے مغرب میں Inter-Faith Dialogue کے نام سے معروف ہے درحقیقت سرسید کو اولیت حاصل ہے، گو اس کا اثبات اور اعتراف اب تک گویا ہوا ہی نہیں ہے۔ یہ امر سرسید کی عظمت پر دال ہے کہ انھوں نے اس مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور معاشرتی ضرورت کا اندازہ قبل از وقت لگالیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے گراں قدر تصانیف تالیف کیں۔ سب سے اہم یہ کہ مخالفانہ بلکہ عین معاندانہ فضا میں اپنے مخاطبین کے دل و

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲ (یوپی) انڈیا — موبائل: 9927206518

دماغ کو مسخر کرتے ہوئے ان کی قلبِ ماہیت کی۔ مذہبی امور پر غور وفکر کے لیے ایک نیا اور حیات بخش تناظر فراہم کیا۔ جو مناظرے بازی کی مسموم اور مہلک روایت کے بالکل برعکس تھا۔ ان کے دور کے برطانوی ہندوستان میں انگریز دشمنی مسلمانوں کے لیے گویا جزوِ ایمان تھی۔ اس میں بڑا دخل استعماری انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو اقتدار سے بے دخل کرنے اور ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھانے کا تھا۔ انگریز دشمنی کا ایک دوسرا بڑا سبب اس انگریزی نظام حکومت کی سرپرستی میں عیسائی مشنریوں کی جارحانہ اشتعال انگیز اسلام دشمن سرگرمیوں کا بھی تھا۔ اگر سرسید کے عہد کے باحمیت اور غیور علماء دفاعِ اسلام میں اتنے فعال اور مستعد نہ ہوتے تو کچھ عجب نہیں کہ ہندوستان میں مسلم اُندلس کے سقوط کی المناک تاریخ دہرائی جاتی اور اسلام اور مسلمانوں کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا"۔[1]

۱۹۶۰ء کے عشرے میں مغربی دنیا امن و آشتی اور بقائے باہم کی تلاش میں بین المذہبی تکثیری معاشرے (Multi Faith and Pluralistic Society) کے قیام کے لیے مجبور ہوگئی۔ سرسید علیہ الرحمہ نے تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل علی ملة الاسلام (جلد اول ۱۸۶۲ء اور جلد دوم ۱۹۶۵ء) تصنیف کرکے تاریخ ساز خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر ترجمہ قرآن میں مذہبی تعامل پر مشتمل آیات کی بامعنی تشریح کی ہے۔ "رسالہ طعام اہل کتاب" لکھ کر عملی مشارکت کی نیز اپنے خطبات اور مقالات میں جا بجا اس عنوان کو ایک زندہ موضوعِ سخن قرار دیا۔

سطور ذیل میں ان کی علمی کاوشوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس مطالعہ کے ذریعہ ان کی قرآن فہمی کا ایک مختصر جائزہ بھی ہمارے سامنے آئے گا۔

عیسائیت اور اسلام کے مابین غلط فہمیوں کا ازالہ: سرسید کی فکری صلابت اور بصیرت

سرسید کی بابت دوست اور دشمن کے درمیان یہ بات معروف رہی کہ وہ نہایت کھرے آدمی ہیں۔ چنانچہ ان کی صاف گوئی اور بے آمیز عملی رویے اکثر لوگوں کو مغالطے میں ڈالتے رہے۔ تبیین الکلام کی بابت بھی یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ وہ بائبل، توریت اور قرآن کی مماثلتوں کے ذریعے انگریزوں کی مداہنت کر رہے تھے۔ حالاں کہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ پہلے مسلمان اہلِ علم ہیں جنھوں نے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا کہ بائبل کے بحیثیت مقدس کتاب اور وحی الٰہی ہونے کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ بالکل مختلف ہے۔ اسے قرآن مجید سے متعلق اسلامی عقائد پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بطور کلامِ الٰہی وحی کا تصور سرے سے عیسائیت میں ہے ہی نہیں۔ نہ ہی عیسائیوں کی دانست میں عیسیٰ حامل وحی الٰہی ہیں۔ حواریوں نے اپنے الہام کی بنیاد پر جو کچھ تحریر کیا وہی بائبل ہے۔[2]

تبیین الکلام، بائبل کی توضیح، اور تقابل ادیان کا مطالعہ ہے۔ بھارت میں اس جانب یہ پہلا علمی و تحقیقی قدم ہے۔ سرسید نے عیسائی علماء کے اقوال کے ذریعے بائبل کا محرف ہونا ثابت کیا ہے۔ انھوں نے اس علمی خدمت کے ذریعے مذاہب کی تکریم کا سلیقہ اپنے ہم وطنوں کو سکھایا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے سرورق پر سورۃ آل عمران کی آیت کندہ ہے:

قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (آل عمران: ۸۴)

[We believe on God, and that which hath been sent down unto us, and that which was sent down into Abrahem, and Israel and Isaac, and Jacob, and the tribes and that which was delivered to Moses, and Jesus, and the prophets from their Lord; we make no distinction between any of them, and to Him we are reigned.] (Holy Kuran)

زیر بحث مقالے میں تبیین الکلام کا تجزیہ ممکن نہیں ہے البتہ قارئین کی خدمت میں دس مقدمے اور دو تتموں کے محض عنوانات پیش کیے جاتے ہیں، جو تبیین الکلام میں سرسید نے تصنیف کیے اور جو ان کا اصل کارنامہ ہے۔

پہلا مقدمہ: انسان کی نجات کو نبیوں کا آنا، دوسرا مقدمہ: وحی اور کلام الٰہی کیا ہے۔ تیسرا مقدمہ: توریت اور صحف انبیاء اور زبور اور انجیل جن کا نام قرآن مجید میں آیا ہے وہ کون سی کتابیں ہیں۔ چوتھا مقدمہ: توریت اور زبور اور صحف انبیاء اور انجیل پر مسلمانوں کا کیا اعتقاد ہے۔ پانچواں مقدمہ: یہ کتنی کتابیں تھیں سب بئبل میں شامل ہیں۔ چھٹا مقدمہ: اس بات کو معلوم کرنے کا کہ ان کتابوں میں سے کون سی کتابیں معتبر ہیں۔ مسلمانوں کے مذہب میں کیا قاعدہ ہے۔ ساتواں مقدمہ: مسلمانوں کے مذہب میں کتب مقدسہ کی تحریف کا کیا سلسلہ ہے۔ آٹھواں مقدمہ: کیا یہ کتابیں بالکل ان اصلی نسخوں کے مطابق ہیں جن کو الہامی لکھنے والوں نے لکھا تھا۔ نواں مقدمہ: ان کتابوں کے ترجموں کی نسبت مسلمانوں کا کیا اعتقاد ہے، دسواں مقدمہ: مسلمانوں کے مذہب میں ناسخ ومنسوخ کیا ہے۔

پہلا تتمہ: ہولی بئبل کی تاریخانہ واقعات بے بنیاد ہیں

دوسرا تتمہ: ہجری اور عیسوی سنوں کے مطابقت میں۔

سرسید احمد خاں نے اس مطالعہ کے ذریعے بائبل کی اخلاقی تعلیمات اور قرآنی تعلیمات میں قدر اشتراک تلاش کیا ہے۔ اور اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ انہی مشترکہ اقدار کی بنیاد پر مسلمان اور عیسائی ایک ہی معاشرہ میں پُرامن زندگی گزار سکتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بنی آدم کی وحدت کا عالمی تصور، باہمی بھائی چارہ، خدمت خلق، اور مساوات کے ذریعے دور جدید کے انسانی معاشرے باقی رہ سکتے ہیں اور ترقی پا سکتے ہیں۔ سرسید نے حکمرانِ وقت کے سامنے جرأت کے ساتھ بائبل کے غلط افکار کی تغلیط بھی کی۔ انھوں نے تبیین الکلام کے ذریعے ثابت کیا کہ لفظ روح کے ذریعہ فلسفہ تثلیث کا تیسرا وجود مراد نہیں ہے۔ لفظ الوہیم سے تثلیث ثابت نہیں ہوتی۔ درس (آیت) ۲۲ سے تثلیث کا فلسفہ نہیں نکلتا، اسی طرح ساتویں درس اور Habba (عبرانی لفظ) کے ذریعہ بھی فلسفہ تثلیث کی تائید نہیں ہوتی ہے۔[3]

تبیین الکلام کی تفسیر کے لیے اپنی تنخواہ کے آٹھ ہزار روپے سے مراد آباد میں ایک پریس خریدنا اور اس کی دونوں جلدیں خود سے چھاپنا ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے جو ان کی مصالحانہ اور مصلحانہ کوششوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ اردو ٹائپنگ کے علاوہ عبرانی اور انگریزی ٹائپ کے حروف

بھی انھوں نے منگوائے۔ غازی پور میں سو روپے ماہانہ پر ایک یہودی عالم سالم کو رکھ کر اس سے عبرانی سیکھی۔ اس کتاب کی بابت مشہور مستشرق گارساں دتاسی لکھتا ہے:

"سرسید کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی معلومات گہری ہیں اور انھیں صرف قرآن اور توریت و انجیل ہی پر کافی عبور نہیں ہے بلکہ دوسری مشرقی تصانیف سے بھی وہ پورے طور پر واقف معلوم ہوتے ہیں... موصوف نے یورپین تصانیف سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ امر بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ مصنف ایک مسلمان ہے اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسیحی اور اسلامی تعلیم میں میل پیدا کرے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ غالباً اس کے ہم مذہب لوگ اس کی رواداری کی باتوں کو بُری نظر سے دیکھیں گے اور دوسری جانب عیسائی لوگ غالباً کبھی اس کی بات کی صداقت کو تسلیم نہیں کریں گے کہ قرآن بھی ایک آسمانی کتاب ہے۔ ہوگا یہ کہ مسلمان کفر کے فتوے دیں گے اور عیسائی مصنفین سید احمد کے علمی اور صلح پسندانہ خیالات کے ساتھ، اتفاق کرنے سے انکار کریں گے"۔[۴]

حاصل کلام یہ کہ تبیین الکلام کے ذریعہ عیسائیت کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اسے مداہنت، چاپلوسی اور حاشیہ برداری ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ سرسید کے اس واضح، دوٹوک اور کھرے علمی و تحقیقی اسلوب کو سمجھنے میں دنیا کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ تبیین الکلام لکھ کر سرسید نے بھارتی مسلمانوں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم تَعَالَوا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ -الآیہ- کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔

۲-انگریز اہلِ کتاب ہیں، ان کے ساتھ ہم طعامی (مواکلت) جائز ہے

دوسری جانب، رسالہ "طعام اہلِ کتاب" دراصل ۱۸۷۵ء کے شدید بحرانی دور سے بھارتی مسلمانوں کو نکالنے کی ایک محمود کوشش تھی۔ یہ وہ دور تھا جس میں مسلمانوں کو جانی مالی، روحانی و مذہبی، سماجی، تہذیبی، سیاسی اور معاشی الغرض ہر سطح پر شدید ضربیں پہنچائی گئی تھیں اور مسلمان انگریزوں کی شکل وصورت، ان کی تہذیب وثقافت، ان کی تعلیم واخلاق سے نہ صرف مایوس اور مضطرب تھے بلکہ انگریزی زبان سیکھنے پر بھی کفر کے فتوے لگارہے تھے۔ اور ایسا بشری تقاضوں کے تحت ہونا تھا۔ اس عہد کے تمام نامور علماء نے زبان سیکھنے کے تعلق سے اسلام کے مثبت موقف کی وضاحت کردی ہے۔ سرسید کا خیال تھا کہ ایسے وقت میں ٹکراؤ کے بجائے جائز مصالحت لازمی وضروری ہے۔ چنانچہ انھوں نے خود آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور دیگر سیاسی اجتماعوں میں شرکت نہیں کی اور مسلمانوں کو بھی عملی سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ سرسید کا خیال تھا کہ اپنے تمام تر غاصبانہ قبضے اور ظلم وستم کے باوصف عیسائی انگریز، بہر حال اہلِ کتاب ہیں۔ جن کو قرآن خصوصی درجہ دیتا ہے اور ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات اور ہم طعامی (مواکلت) حرام نہیں بلکہ جائز ہے۔ اپنی اس جراتِ رندانہ کے لیے سرسید موردِ عتاب ٹھہرے اور انگریزوں کے پٹھو اور کرستان قرار دیئے گئے۔

رسالہ طعام اہل کتاب میں سرسید لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ طعام اہل کتاب بشرطیکہ محرمات شرعیہ میں سے نہ ہو مسلمانوں کے لیے حلال اور درست اور اس کا کھانا جائز وحلال ہے۔ خواہ ہم اس کا بھیجا ہوا اور اونہی میں کا پکایا ہوا اپنے گھر

کھاویں خواہ اون کے ہاں جاکر کھاویں خواہ ہم اکیلے کھاویں خواہ ہم اور اہلِ کتاب ایک جگہ ساتھ بیٹھ کر کھاویں اور وہ کھانا قسم لحوم طیبہ سے ہو یا از قسم حبوب وشیرینی وغیرہ"۔[۵]

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّہُمْ (المائدہ:۷) کی سرسید تفسیر:

رسالہ طعام اہلِ کتاب کے نو اعتراضات اور ان کے جوابات میں قرآن کی آیات اور علماء کے افکار سے سرسید نے استفادہ کیا ہے۔ اور یہ حصہ زیرِ نظر مقالے سے بطور خاص مناسبت رکھتا ہے۔ اس ضمن میں کلیدی آیت اوپر نقل کی جاچکی ہے۔ اپنی تفسیر میں اس کا ترجمہ سرسید یوں کرتے ہیں:

"آج کے دن حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور طعام ان لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی ہے حلال ہے تمہارے لیے اور تمہارا طعام حلال ہے ان لوگوں کے لیے"۔

طعام اہلِ کتاب میں مذکور بعض اعتراضات (شبہات) کا اجمالی تذکرہ مفید ہوگا تا کہ سرسید کا نقطۂ نظر واضح ہوسکے۔ مثلاً بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ حال کے انگریز اہلِ کتاب میں داخل نہیں ہیں کیوں کہ وہ عقیدۂ تثلیث کو مانتے ہیں۔ دوم یہ کہ طعام کے لفظ میں گوشت اور ذبیحہ کیوں کر داخل ہے۔ سوم یہ کہ انگریزوں کے ذبیحہ کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ ان کا ذابح کون ہے؟ اور ان کے برتن میں پاکی وغیرہ کا علم نہیں ہوپاتا۔ چہارم یہ کہ میز پر بیٹھ کر چھوری اور کانٹے سے کھانا تشبہ بالنصاریٰ ہے، پنجم یہ کہ "طَعَامُہُمْ حِلٌّ لَّکُمْ" سے مواکلت اور ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کیوں کر ثابت ہوسکتا ہے؟ ششم یہ کہ انگریزوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا اختلاط اور ازدیادِ محبت وتولا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور آخری اعتراض یہ کہ بنظر عموم بلوی، عدم جواز کا فتویٰ دینا مصلحت کا تقاضا بھی ہے۔

سرسید علیہ الرحمہ نے مذکورہ تمام اعتراضات اور دیگر کے تفصیلی جوابات دیئے ہیں، ان کا خلاصہ بیان کرنا مناسب حال لگتا ہے:

قرآن وسنت اور ان کی تشریحات میں اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں خواہ ان کا عمل کچھ بھی ہو اور ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال کیا گیا ہے۔ بیضاوی اور فتاویٰ عالمگیری کی عربی عبارت بطور دلیل فراہم کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسلمان کو معلوم ہوجائے کہ اہلِ کتاب نے ذبیحہ پر عیسیٰ مسیح کا نام لیا ہے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

یہ بات کہ اہلِ کتاب انگریز کے باورچی چمار ہوتے ہیں، سید کہتے ہیں کہ کھانا پکانے والے کے اندر ظاہری نجاست اگر نہیں ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہدایہ کی شرح العنایہ کی عبارت نقل کرتے ہیں: انما المشرکون نجس قلت النجاسة فی اعتقادهم لافی ذاتهم یعنی نجاست عقیدے میں ہے، ظاہری طور پر نجاست ان کے بدن میں نہیں ہے۔ سرسید لکھتے ہیں:

"پس جس طرح ہم ہندوؤں کے یہاں کھانا، حلوائیوں کے یہاں کی مٹھائی بلا تکلف کھاتے ہیں اسی طرح اہلِ کتاب کے یہاں کا کھانا بلا تردد کھائیں گے۔ خاص طور پر ہندوؤں کے یہاں کا وہ کھانا جو چوکہ میں بنایا جاتا ہے، کہ بدونِ گوبر کے لیپنے کے چوکہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا[۶] (وہ درست نہیں ہوسکتا)

چھری سے کاٹ کر اور میز پر بیٹھ کر کھانا کھانے پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چھری کا استعمال تو عہد رسالت میں ہوا ہے۔ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے گوشت کو چھری سے ٹکڑے کر کے کھایا ہے۔ بخاری کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ چمچہ اور کانٹے کے استعمال کو چھری پر قیاس کرنا چاہیے۔ ان کا استدلال ہے کہ اس طرح چپاتی، میدے، تشتریاں، رکابیاں، روا اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹیاں اور خوان پر طعام تناول کرنے کی نظیریں نہیں ملتیں اور یہ تمام چیزیں آج جائز ہیں، اسی طرح میز پر کھانا تناول کرنا بھی مباح ہے۔

طَعَامُهُم حِلٌّ لَّكُمْ سے سرسید ''مواکلت'' کا اثبات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اشارۃ النص سے صریحاً مواکلت ثابت ہوتا ہے۔ یعنی وہ ان کا کھانا کھاویں اور یہ ان کا۔ ابوداؤد سے ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔[۷]

اپنے ایک مقالے بعنوان طریقہ تناول طعام مشمولہ تہذیب الاخلاق، بابت ۲۰ محرم ۱۲۸۹ھ میں چھری کانٹے، یا طریق تُرکِ عثمان یا طریق عرب کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے کھانا کھانے کا بھی وہی طریق ہے جو ہندوؤں کا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ ہندو چوکے میں بیٹھتے ہیں، مسلمان دسترخوان بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ اس مضمون میں واضح کرتے ہیں کہ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا کھاؤ یا عرب کی طرح چھوٹی چوکی پر ایک خوان بچھاؤ بلکہ شوق سے بسم اللہ کر کے دسترخوان پر کھانا تناول فرماؤ، مگر برائے خدا غچلی پن چھوڑو اور سب طرح وضع پر کھانا کھانے میں جہاں تک اصلاح و صفائی ہو سکے اس کو اختیار کرو۔[۸]

پوری گفتگو کے آخر میں رقم طراز ہیں:

''ہمارے بھائی جب یہ بات جانتے ہیں کہ شرع میں طعام اہلِ کتاب مواکلت معہم بشرط الطہارۃ جائز و حلال ہے تو عام لوگوں کو صحیح اور سیدھا مسئلہ کیوں نہیں بتاتے کہ انگریزوں کے یہاں کھانا اور ان کو کھلانا اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا درست ہے لیکن حرام چیزوں سے بچنا چاہیے۔ تا کہ عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں، مگر اس کہنے میں مولویت کی شیخی اور جہلاء کی آنکھ میں اتقی الناس بننے کے تفاخر میں اور پیری مریدی، نذر و نیاز لینے کے دکان داری میں بٹا لگتا ہے''[۹]

اختلاط، ازدیاد محبت اور تولا کا مسئلہ

سرسید نے فتاویٰ عالمگیری، مطالب المومنین اور نصاب الاحتساب سے متعدد روایتیں پیش کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مستقل مواکلت ان کے ساتھ درست نہیں ہے۔ کبھی کبھی جائز ہے۔ نیز یہ کہ ان کے ساتھ کھانا نہ کھانے کی روایتیں دراصل مجوس و بت پرست کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ ان آیتوں/روایتوں کو اہلِ کتاب کے ساتھ کھانے پر استدلال کرنا صریح غلطی ہے۔[۱۰]

موالات کا مسئلہ

اہلِ کتاب کے ساتھ تولا اور دوستی کے ضمن میں قرآن کی متعدد آیات سے استشہاد کرتے ہیں کہ موالات عموماً ممنوع شرعی نہیں ہے بلکہ صرف وہی موالات جو من حیث الدین ہو، حرام ہے اور ممنوع شرعی کفر ہے... اپنے صلحاء، علماء اور اولیاء کی طرح کی محبت ان کے ساتھ کرنا ناجائز و کفر ہے... ورنہ رحمت و شفقت تو دین محمدی میں عام ہے خواہ وہ مشرک ہو یا اہل کتاب... تا کہ ضلالت و گمراہی سے صراط مستقیم پر آئیں... مزید یہ کہ ایک مسلمان اپنے دین پر رہتے ہوئے

کتابیہ سے شادی کر سکتا ہے۔ قرآن اس کی اجازت دیتا ہے۔ کافر والدین کے لیے شفقت و محبت کا حکم قرآنی موجود ہے (الاسراء، آیت نمبر ۲۴) ہمسایہ کافر کے ساتھ محبت کا حکم دیا گیا ہے۔ موالات کی شرعی حیثیت کی مزید وضاحت کے لیے تفسیر نیشاپوری، امام فخر الدین رازی اور الکشاف کی عربی عبارتیں اور ان کا ترجمہ کرتے ہیں۔[۱۱]

اس موضوع پر سرسید نے متعدد مقالات اور تقریریں چھاپی ہیں۔ ایک تحریر کا عنوان ہے ''کفار سے موالات'' جس کی بنیاد لا یتخذِ المومنونَ الکافِرینَ اَولیَاء آل عمران، آیت نمبر ۲۸ ہے۔ اس مقالے میں تفسیر کبیر کے والے سے تین طرح کی دوستیوں کا ذکر کرتے ہیں، ایک یہ کہ اس کے کفر کو پسند کرتا ہو اور کفر کے سبب اس سے دوستی رکھتا ہو، ایسی دوستی منع اور کفر ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیاوی امور میں بحسب ظاہر معاشرت جمیلہ یعنی اچھا میل جول ہو، اور یہ ممنوع نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ کافروں کے ساتھ میلان ہوتا ہے اور ان کی اعانت اور مدد اور نصرت کرنا، بسبب قرابت کے یا محبت کے اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان کا مذہب باطل ہے، ممنوع ہے مگر کفر نہیں ہے۔ اپنے مقالے کا خلاصہ اس طرح کرتے ہیں:

''... پس ان تمام روایتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ کفار سے محبت اور دوستی من حیث الدین ممنوع ہے اس کے سوا کسی قسم کی دوستی اور معاشرت و محبت و وفاداری اور امداد اور کسی طرح کی راہ و رسم مذہب اسلام کی رو سے ممنوع نہیں ہے''[۱۲]

ہندوؤں اور مسلمانوں میں ارتباط

جیسا کہ ذکر کیا گیا، سرسید زندگی بھر مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان افہام و تفہیم کے مشن پر کاربند رہے۔ ان کا خیال تھا کہ جس قدر سوشل برتاؤ اور باہمی محبت و ارتباط ہندوؤں اور مسلمانوں میں ترقی پکڑتا جاوے ہم کو نہایت خوش گوار معلوم ہوتا ہے... ہندوؤں کی آریہ قومیں بھی خاص ہندوستان کی رہنے والی نہیں ہیں، دوسرے ملکوں سے آ کر ہندوستان میں فتح مندی کے ساتھ آباد ہوئی ہیں... مسلمانوں کو بھی ہندوستان میں آئے ہوئے کچھ کم زمانہ نہیں ہوا، ان کی بھی متعدد پشتیں ہندوستان ہی کی زمین پر گزری ہیں... پس مسلمانوں اور ہندوؤں میں کچھ مغایرت نہیں ہے... جس طرح آریہ قوم کے لوگ ہندو کہلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جا سکتے ہیں۔ ہم نے متعدد بار کہا ہے کہ ہندوستان ایک خوبصورت دلہن ہے اور ہندو اور مسلمان اس کی دو آنکھیں[۱۳]

اپنے ہم مشرب مسلمانوں کو ایک آرٹیکل میں نصیحت کرتے ہیں جس کا عنوان ہے: غیر مذہب کے پیشواؤں کا ہم کو ادب کرنا چاہیے۔ لکھتے ہیں:

''... جس مذہب کے جو پیشوا ہیں جب ہم اپنے مذہبی مباحثوں میں ان کا ذکر کریں، خواہ وہ لوگ ہندو ہوں یا پارسی، عیسائی ہوں یا یہودی یا خود مختلف عقائد کے مسلمان ہی ہوں۔ اگر ہم ان کے بزرگوں و پیشواؤں کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں گے تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس طرح ہمارے بزرگوں اور پیشواؤں کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش نہ آئیں۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ وَلاتَسُبُّوا الَّذِينَ يَدعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدواً بِغَيرِ عِلمٍ۔ (سورۃ انعام: آیت: ۱۰۸) [مت بُرا کہو ان کو جو خدا کے

سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں، پھر وہ بڑھ کر نادانستگی سے خدا کو برا کہیں گے"۔ ۲۳

خلاصہ بحث

ہندوستان میں مناظراتی دور اور اس عہد کا لٹریچر مسلمانوں، عیسائیوں، اور ہندوؤں کے مابین مناقشوں سے لبریز ہے۔ سرسید اپنے عہد میں اسی مثلث کو افہام وتفہیم کے ذریعے قریب لانے اور بقائے باہم کا سبق پڑھانے کی سنجیدہ کوششوں میں مصروف رہے، جس کا آغاز ان کے رسالہ "خیر خواہان مسلمانان" سے ہو چکا تھا۔ رسالہ "طعام اہل کتاب"، مناظراتی ادب میں نہایت شائستہ اور متین اسلوب میں تحریر کیا گیا اور تبیین الکلام تو گویا انٹر فیتھ ڈائیلاگ کی شاہ کلید ہی ہے۔ البتہ رسالہ "طعام اہل کتاب" میں سرسید کے فراہم کردہ تمام جوابات سے اطمینان واتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا قلم کئی مقامات پر جادہ اعتدال سے بھٹک گیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ عصر جدید کی تکثیریت (Pluralism) کا تصور اپنی متعدد تحریروں میں پیش کر کے آج کے تکثیری معاشروں کے لیے سرسید والا گہر نے مشرق ومغرب کے ارباب علم وحکمت کے سامنے خام مال تیار کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان اقدار کو معاصر علم کلام کے ذریعہ مزید صیقل کیا جائے اور اسے ضروری قدر قرار دیا جائے۔ اس حقیقت کے اعتراف میں مضائقہ نہیں کہ قرآن وسنت کے دلائل کی تعبیر میں وہ اسلاف کی تعبیرات سے منحرف نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کا یہ عظیم انسان اپنے عصر کا طبیب وحکیم اور نباض ورہنما تھا۔ اس کے افکار کو فقہی چھلنیوں سے چھاننے کے بجائے مقاصد شریعت کے ممتاز اصولوں کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی جائے۔ بلاشبہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مجتہد تھا اور اجتہاد میں خطا اور صواب دونوں پر اجر کی نوید ہادی اعظم اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی ہے۔ ☆

حواشی وتعلیقات

۱۔ فاروق ارگلی، مجاہد وعلم وعمل۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی، فرید بک ڈپو، نئی دہلی، ۲۰۱۷، ص: ۲۵۰

۲۔ عبدالرحیم قدوائی، محولہ بالا مضمون، ص ۲۵۲ ملخصاً

۳۔ تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام، توریت مقدس وکتاب پیدائش، فہرست مضامین، غازی پور، ۱۸۶۳ء

۴۔ اصغر عباس، شروع کی بات، مشمولہ تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء

۵۔ سرسید احمد خاں، احکام طعام اہل کتاب، مطبع منشی نول کشور، کانپور، ۱۸۶۸ء/ ۳-۴۔ یہ کتاب دو بار طبع ہوئی، دونوں میں مضامین یکساں ہیں۔ پہلی بار مذکورہ مطبع سے نوے صفحات کے اندر جب کہ دوسری بار مطبع العلوم علی گڑھ سے ۱۸۹۹ء میں اکہتر صفحات کے اندر۔ پوری کتاب میں قرآن وحدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ کے فتاویٰ سے مدد لی گئی ہے۔ اس کتاب میں معاصر علماء وفقہاء کے نو اعتراضات (الشبہ) ان کا نام لیے بغیر نقل کیے گئے ہیں اور پھر الگ الگ ان کے جوابات سرسید نے دیئے ہیں۔

موصوف نے اپنے اجتہادی جوابات اصول فقہ وحدیث کی روشنی میں دینے کی کوشش کی ہے البتہ متعدد حوالے اجنبی اور بے سند بھی ہیں۔ سرسید کے دلائل سے علماء عصر کو شدید اختلاف رہا اس ضمن میں مولوی امداد علی نے "امداد الاحتساب علی المداہنین فی طعام اہل کتاب" نامی کتاب تصنیف کی اور ان کے دلائل کا پوسٹ مارٹم کیا۔ البتہ امداد علی کا لہجہ نہایت سخت اور غیر علمی ہے۔

۶۔ اس مقام پر سرسید نے شاہ عبدالعزیز کے فتوے کی طویل عبارت نقل کی ہے۔ جس میں عموم بلوی اور عدم تیقن نجاست کے اصول پر متعدد چیزوں کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ احکام طعام اہل کتاب، مطبع منشی نول کشور، کانپور، ۱۸۶۸ء/ ۱۹-۲۵ھ الشبہۃ الرابعہ

۷۔ رسالہ طعام اہل کتاب، محولہ بالا، ص: ۴۳

۸۔ مقالات سرسید، ج ۵، مرتبہ: مولانا محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم اپریل، ۱۹۹۰ء/ ۳۶۳-۳۶۶، نیز دیکھیں عیسائیوں اور مسلمانوں میں مودت اور اتحاد، مقالاتِ سرسید، ج ۵، ص ۳۲-۴۰، تعلیم، سماج اور فقہ میں سرسید کے موقف کی تفصیلات جاننے کے لیے ایک معتبر اور مستند عالم پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کی کاوش کا مطالعہ کریں: مطالعاتِ سرسید (تعلیمی، سماجی وفقہی مسائل کے حوالہ سے)، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۸ء

۹۔ طعام اہل کتاب، محولہ بالا، ص ۸۶

۱۰۔ ان حوالوں میں مطالب المؤمنین کے حوالہ پر اعتراض کیا گیا کہ محققین کے نزدیک اس کا پایہ استناد مشکوک ہے۔ تاہم تنہا عالمگیری کا حوالہ اس قضیے پر سید کے موقف کے لیے کافی ہے۔ مولوی امداد علی نے "امداد الاحتساب علی المداہنین فی طعام اہل کتاب" میں سرسید سے اصولی اختلاف کیا ہے۔ یہ کتاب ۹۱ صفحات میں ہے اس کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔

۱۱۔ طعام اہل کتاب، محولہ بالا، ص ص: ۴۹، ۶۴، ۷۲

۱۲۔ مقالات سرسید، محولہ بالا، ج ۱۵، مرتبہ: اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی اردو، لاہور، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ص ۳۴۵-۳۴۸

۱۳۔ مقالات سرسید، ج ۱۵، ص ۴۱

۱۴۔ مقالات سرسید، محولہ بالا، ج ۵، ص ۱۸۴-۱۸۵

☆☆☆